تفسیر نور العرفان (قسط⑯)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

① مفتی احمد یار خان نعیمی صاحب (۱۹۷۱ء) لکھتے ہیں:

''کہہ سکتے ہیں کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام اولاد، ایمان، عزت، جنت دیتے ہیں۔ حضرت ربیعہ نے حضور سے عرض کیا تھا کہ میں آپ سے جنت مانگتا ہوں۔''

(تفسیر نور العرفان، ص488)

اولاد، ایمان، عزت اور جنت دینا رب تعالیٰ کے اختیار میں ہے، جسے اللہ چاہے اولاد دے، جسے چاہے ایمان دے، جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے جنت دے۔ انبیا کا منصب تبلیغ رسالت ہے۔ نبی کریم ﷺ اپنی حیات مبارکہ یا بعد وفات کسی کو اولاد، ایمان دینے کی قدرت اور اختیار نہیں رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی بھی متصرف الامور نہیں۔

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ إِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ الذُّكُورَ أَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّإِنَاثًا وَّيَجْعَلُ مَنْ يَّشَاءُ عَقِيمًا﴾ (الشّورى: ٤٩-٥٠)

''اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے، صرف بیٹیاں عطا کرتا ہے، جسے چاہتا ہے، صرف بیٹے عطا کرتا ہے، یا انہیں بیٹے اور بیٹیاں دونوں عطا کر دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے، بانجھ بنا دیتا ہے۔''

معلوم ہوا کہ اولاد اللہ اختیار میں ہے، کسی نبی، ولی یا قبر والے کے اختیار میں نہیں۔

ایمان بھی اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے، نبی کریم ﷺ اپنے چچا ابو طالب کو قبول ایمان کی دعوت دیتے رہے، چاہت اور کوشش کے باوجود انہیں ایمان کی دولت نصیب نہ کر سکے۔

❁ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿قُلْ إِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا﴾ (الجنّ: ٢١)

''(اے نبی!) کہہ دیجئے کہ میں تمہارے لیے نفع نقصان کا اختیار نہیں رکھتا۔''

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ﴾ (القصص: ٥٦)

''(اے نبی!) آپ جسے چاہیں ہدایت (ایمان) نہیں دے سکتے، البتہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے ہدایت عطا فرماتا ہے اور وہ ہدایت یافتگان سے بخوبی واقف ہے۔''

یہ آیت کریمہ بالاتفاق ابو طالب کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

❁ حافظ نووی رحمہ اللہ (٦٧٦ھ) فرماتے ہیں:

قَدْ أَجْمَعَ الْمُفَسِّرُونَ عَلٰى أَنَّهَا نَزَلَتْ فِي أَبِي طَالِبٍ، وَكَذَا نَقَلَ إِجْمَاعَهُمْ عَلٰى هٰذَا.

''مفسرین کرام کا اتفاق ہے کہ یہ آیت کریمہ ابو طالب کے بارے میں نازل ہوئی۔ امام زجاج رحمہ اللہ (معانی القرآن واعرابہ: ۴/۱۴۹) وغیرہ نے بھی مفسرین کا اجماع نقل کیا ہے۔''

(شرح النّووي: 41/1)

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ﴾(آل عمران: ٢٦)

''(اللہ!) تو جسے چاہتا ہے، عزت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے، رسوا کر دیتا ہے۔''

جنت کا اختیار بھی اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

سیدنا ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جنت کی سفارش مانگی کہ اللہ کے ہاں میری سفارش کر دیں، جیسا کہ دوسری روایت اس کی وضاحت کرتی ہے:

سیدنا ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتا تھا اور سارا دِن آپ کی ضروریات کا اہتمام کرتا تھا، حتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عشا کی نماز پڑھ لیتے۔ پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں داخل ہو جاتے، تو میں یہ سوچ کر دروازے پہ بیٹھ جاتا کہ شاید آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی ضرورت پڑ جائے۔ میں سنتا رہتا کہ آپ مسلسل سبحان اللہ، سبحان اللہ، سبحان اللہ وبحمدہٖ کہہ رہے ہیں، بالآخر تھک ہار کر میں واپس چلا جاتا، یا میری آنکھ لگ جاتی اور میں سو جاتا۔ ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری خدمت وتواضع دیکھ کر فرمایا: ربیعہ! مانگئے، میں آپ کو دوں گا۔ عرض کیا: آقا! کچھ سوچنے کا موقع دیجئے، پھر میں نے ذرا غور وفکر کیا، تو معلوم ہوا کہ دنیا فانی ہے اور اس میں میرے لئے جتنا رزق ہے، اتنا مجھے مل جائے گا، میں ایسا کرتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آخرت کے لئے کچھ مانگتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اللہ کے ہاں بڑی قدر ومنزلت ہے:

قُلْتُ : نَعَمْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ، أَسْأَلُكَ أَنْ تَشْفَعَ لِي إِلٰى رَبِّكَ فَيُعْتِقَنِي مِنَ النَّارِ، ......

''میں نے آقا علیہ السلام سے عرض کیا کہ اللہ سے میرے لئے جہنم سے نجات کی سفارش کر دیں۔''

آپ ﷺ نے فرمایا: ربیعہ! آپ سے یہ بات کس نے کہی؟ عرض کیا: اللہ کی قسم! کسی نے ایسا نہیں کہا، میں نے خود سوچا کہ آپ کا مقام اللہ کے ہاں بہت بلند ہے، تو کیوں نہ آخرت کے لئے ہی کچھ طلب کرلوں؟ دنیا تو عارضی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کافی دیر خاموش رہے، پھر فرمایا:

إِنِّي فَاعِلٌ فَأَعِنِّي عَلٰى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُودِ .

''میں ایسا کروں گا، لیکن آپ بھی زیادہ نوافل پڑھ کر میری مدد کریں۔''

(مسند الإمام أحمد : 59/4، وسندهٗ حسنٌ)

② مفتی صاحب لکھتے ہیں:

''حضرت جبرائیل نے بی بی مریم کے گریبان میں پھونک دیا، جس سے آپ حاملہ ہوگئیں، اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کے دم میں تاثیر ہے۔''

(تفسیر نور العرفان، ص488)

جبریل علیہ السلام یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے اذن سے کیا۔ جبریل علیہ السلام اس پر مامور تھے۔ اس سے دم کا جواز یا بزرگوں کے دم میں تاثیر پر استدلال درست نہیں، کیونکہ جبریل علیہ السلام نے دم نہیں کیا۔

③ مفتی صاحب لکھتے ہیں:

''آپ (عیسیٰ علیہ السلام) ایک حیثیت سے بشر اور دوسری حیثیت سے روح ہیں۔''

(تفسیر نور العرفان، ص488)

❀ نیز لکھتے ہیں:

''حضرت جبریل کا اثر آپ (عیسیٰ علیہ السلام) میں تھا، وہ روح الامین ہیں، تو روح اللہ۔''

(تفسیر نور العرفان، ص488)

عیسیٰ علیہ السلام کی حیثیت یہ ہے کہ آپ بشر ہیں اور اللہ کے نبی ہیں۔ روح اللہ آپ کا لقب ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے بغیر باپ کے پیدا کیا، آپ کی والدہ میں براہِ راست روح پھونکی، جس سے وہ حاملہ ہو گئیں۔ انبیائے کے کئی ایک اوصاف ہوتے ہیں۔ کیا ہر ایک کی کئی حیثیتیں بن جائیں گی؟

''روح'' وحی کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے، جبریل علیہ السلام کو روح الامین اسی مناسبت سے کہا جاتا ہے کہ آپ وحی الٰہی کے امین ہیں۔ لہٰذا جبریل کا روح الامین ہونا اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا روح اللہ ہونا دونوں میں فرق ہے۔ تاثیر کی بات بے دلیل ہے۔

④ مفتی صاحب لکھتے ہیں:

''ہمارے حضور سے شب معراج جبریل نے عرض کیا کہ اس جگہ دو رکعت نماز پڑھ لیں، یہ حضرت عیسیٰ کی جائے پیدائش ہے۔''

(تفسیر نور العرفان، ص488)

❀ سیدنا شداد بن اوس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

قُلْتُ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ، كَيْفَ أُسْرِيَ بِكَ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِكَ؟ قَالَ : صَلَّيْتُ لِأَصْحَابِي صَلَاةَ الْعَتَمَةِ بِمَكَّةَ مُعْتِمًا، فَأَتَانِي جِبْرِيلُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، بِدَابَّةٍ بَيْضَاءَ فَوْقَ الْحِمَارِ، وَدُونَ الْبَغْلِ، فَقَالَ : ارْكَبْ، فَاسْتَصْعَبَ عَلَيَّ، فَدَارَهَا بِأُذُنِهَا، ثُمَّ حَمَلَنِي عَلَيْهَا، فَانْطَلَقَتْ تَّهْوِي بِنَا، يَقَعُ حَافِرُهَا حَيْثُ أَدْرَكَ طَرْفُهَا، حَتّٰى بَلَغْنَا أَرْضًا ذَاتَ نَخْلٍ، فَقَالَ : انْزِلْ، فَنَزَلْتُ، ثُمَّ

قَالَ : صَلِّ، فَصَلَّيْتُ، ثُمَّ رَكِبْنَا، فَقَالَ : أَتَدْرِي أَيْنَ صَلَّيْتَ؟ قُلْتُ : اللّٰهُ أَعْلَمُ، قَالَ : صَلَّيْتَ بِيَثْرِبَ، صَلَّيْتَ بِطِيْبَةَ، ثُمَّ انْطَلَقَتْ تَهْوِي بِنَا، يَقَعُ حَافِرُهَا حَيْثُ أَدْرَكَ طَرْفُهَا، حَتّٰى بَلَغْنَا أَرْضًا بَيْضَاءَ، فَقَالَ : انْزِلْ، فَنَزَلْتُ، ثُمَّ قَالَ : صَلِّ، فَصَلَّيْتُ، ثُمَّ رَكِبْنَا، فَقَالَ : تَدْرِي أَيْنَ صَلَّيْتَ؟ قُلْتُ : اللّٰهُ أَعْلَمُ، قَالَ : صَلَّيْتَ بِمَدْيَنَ، صَلَّيْتَ عِنْدَ شَجَرَةِ مُوسٰى، ثُمَّ انْطَلَقَتْ تَهْوِي بِنَا، يَقَعُ حَافِرُهَا حَيْثُ أَدْرَكَ طَرْفُهَا، ثُمَّ بَلَغْنَا أَرْضًا بَدَتْ لَنَا قُصُورُهَا، فَقَالَ : انْزِلْ، فَنَزَلْتُ، ثُمَّ قَالَ : صَلِّ، فَصَلَّيْتُ، فَقَالَ : أَتَدْرِي أَيْنَ صَلَّيْتَ؟ قُلْتُ : اللّٰهُ وَرَسُولُهٗ أَعْلَمُ، قَالَ : صَلَّيْتَ بِبَيْتِ لَحْمٍ حَيْثُ وُلِدَ عِيسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ .

’’میں نے اپنے صحابہ کرام کو عشا کی نماز آدھی رات کے وقت پڑھائی۔ میرے پاس جبریل ﷺ ایک سفید جانور کے ہمراہ تشریف لائے، جو گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا تھا، اور عرض کیا: سوار ہو جائیے۔ مجھے چڑھنے میں دشواری ہوئی، تو جبریل علیہ السلام نے اسے کان سے پکڑ کر گھمایا، پھر مجھے اس پر سوار کیا۔ وہ جانور ہمیں لے کر روانہ ہوا۔ اس کے پاؤں وہاں پڑتے تھے، جہاں تک اس کی نظر جاتی تھی۔ ہم چلتے چلتے کھجوروں والی سرزمین میں پہنچے، تو جبریل علیہ السلام نے کہا: نیچے تشریف لائیے۔ میں اتر گیا تو کہا: نماز ادا فرمائیے۔

میں نے نماز ادا کی،تو ہم پھر سے سوار ہو گئے۔جبریل علیہ السلام نے کہا: کیا آپ کو معلوم ہے کہ آپ نے کہاں نماز پڑھی ہے؟ میں نے کہا: اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ آپ نے یثرب، طیبہ میں نماز پڑھی ہے۔پھر وہ سواری ہمیں لے کر روانہ ہوئی۔اس کے پاؤں وہاں پڑتے تھے جہاں تک اس کی نگاہ جاتی تھی۔ یہاں تک کہ ہم ایک سفید زمین پر پہنچ گئے۔ جبریل علیہ السلام نے کہا: نیچے تشریف لائیے۔ میں اتر گیا۔ پھر انہوں نے کہا: نماز ادا فرمائیے۔ میں نے نماز ادا کی،تو ہم پھر سے سوار ہو گئے۔جبریل علیہ السلام نے مجھے کہا: کیا آپ کو معلوم ہے کہ آپ نے کہاں نماز پڑھی ہے؟ میں نے کہا: اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ آپ نے مدین میں شجرۂ موسیٰ کے پاس نماز ادا کی ہے۔پھر وہ جانور ہمیں لیے روانہ ہو گیا۔اس کے پاؤں وہاں پڑتے تھے، جہاں تک اس کی نظر پڑتی تھی۔ یہاں تک کہ ہم ایسی جگہ پر پہنچے جس کے محلات ہمیں نظر آ رہے تھے۔جبریل علیہ السلام نے کہا: آپ نیچے تشریف لائیے۔ میں اتر گیا،تو انہوں نے کہا: نماز ادا فرمائیے۔ میں نے نماز ادا کی۔انہوں نے پوچھا: کیا آپ کو معلوم ہے کہ آپ نے کہاں نماز ادا کی ہے؟ میں نے کہا: اللہ اور اس کا رسول (پیغام رساں) ہی بہتر جانتا ہے۔اس پر انہوں نے بتایا کہ آپ نے بیتِ لحم میں نماز ادا کی ہے، جہاں عیسیٰ، مسیح ابن مریم علیہما السلام پیدا ہوئے تھے۔‘‘

(المُعجم الكبير للطّبراني : 282/7، ح : 7142، مسند البزّار : 3484، دلائل النبوّة للبيهقي : 355/2، وسندهٗ صحيحٌ)

امام بیہقی رحمہ اللہ نے اس کی سند کو ’’صحیح‘‘ قرار دیا ہے۔

اسی طرح سنن نسائی (۴۵۰) میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی صحیح حدیث بھی موجود ہے۔

اس روایت سے بعض لوگوں نے صالحین کی قیام گاہوں، عبادت گاہوں، ان کی جائے ولادت اور ان کی قبور سے تبرک لینے اور وہاں نماز کا اہتمام کرنے کا جواز ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

لیکن ذرا سا غور کرنے پر معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ استدلال کئی لحاظ سے مخدوش ہے؛

۱۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب نماز ادا فرمائی، تو آپ کو معلوم ہی نہیں تھا کہ آپ کس جگہ نماز ادا کر رہے ہیں۔ یہ کیسا تبرک ہوا؟ تبرک تو تب ثابت ہوتا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوتا کہ یہ فلاں متبرک مقام ہے اور آپ وہاں تبرک کی نیت سے نماز ادا کرتے۔ اس روایت میں ایسا کچھ بھی نہیں، بلکہ اس میں تو یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بعد میں جبریل علیہ السلام نے پوچھا کہ آپ نے کون سی جگہ پر نماز پڑھی ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لاعلمی کا اظہار فرمایا۔ بعد میں جبریل کے بتانے پر معلوم ہوا کہ فلاں جگہ ہے۔ پھر زندگی میں کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان جگہوں پر نماز ادا کرنے کی خواہش یا اہتمام نہیں فرمایا۔

۲۔ سب سے پہلی جگہ جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز ادا فرمائی، وہ یثرب تھی۔ معراج کا واقعہ مکی زندگی میں پیش آیا اور اس وقت یثرب بیماریوں کی آماجگاہ تھی۔ وہ تو ہجرت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اسے بابرکت بنایا۔ لہٰذا ہجرت سے پہلے وہ جگہ متبرک تو کیا بابرکت بھی نہیں تھی۔ اس وقت وہاں نماز پڑھنے میں کیسا تبرک تھا؟

۳۔ اس حدیث سے یہ استدلال درست نہیں، کیونکہ بیماریوں کی آماجگاہ، جسے ہجرت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے برکت ملی، اس کے بارے میں یہ کہنا کہ ہجرت سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے برکت حاصل کرتے تھے، کیا یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت ہے؟

۴۔ نبی اکرم ﷺ خود اس کائنات کی سب سے بابرکت اور متبرک شخصیت تھے۔ آپ ﷺ کے بارے میں یہ کہنا کہ ان مقامات سے آپ ﷺ نے برکت حاصل کرنے کی کوشش کی، نہایت نامعقول بات ہے۔

⑤ مفتی صاحب سورت مریم (۲۴) کے تحت لکھتے ہیں:

''جو (چھوٹی سی چشمہ نما نہر) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ایڑی یا حضرت جبریل علیہ السلام کے پَر سے پیدا ہوئی، لہٰذا اس کا پانی شفا ہے، جیسے آج آبِ زم زم کا۔''

(تفسیر نورالعرفان، ص488)

اس نہر کے پانی کو زمزم کی طرح آبِ شفا قرار دینا بے دلیل ہے۔ اس پر بھی کوئی دلیل نہیں کہ وہ چشمہ عیسیٰ علیہ السلام کی ایڑی یا جبریل علیہ السلام کے پَر سے جاری ہوا۔

⑥ مفتی صاحب لکھتے ہیں:

''معلوم ہوا کہ آپ (عیسیٰ علیہ السلام) نزول انجیل سے پہلے انجیل سے خبردار تھے، جیسے کہ ہمارے حضور نزول قرآن سے قرآنی احکام سے باخبر تھے، اس لیے آپ وحی آنے سے پہلے عابد، زاہد، پاکباز تھے۔''

(تفسیر نورالعرفان، ص489)

یہ صریح کفر ہے۔ نزول سے پہلے عیسیٰ علیہ السلام انجیل سے کیسے باخبر تھے؟

دراصل عیسیٰ علیہ السلام نے معجزاتی طور پر بچپن میں کلام کیا، جس کا مقصد اپنی والدہ کی براءت کرنا تھا، عیسیٰ علیہ السلام نے خبر دی کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نبوت دینے کا فیصلہ کیا ہے اور عنقریب وہ مجھے نبی بنائے گا اور انجیل بھی عطا کرے گا۔

انبیائے کرام علیہم السلام نبوت و رسالت سے پہلے بھی عابد، زاہد اور پاکباز تھے۔ وہ کس

طرح عبادات کرتے تھے؟ اس کا حقیقی علم تو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، البتہ ممکن ہے کہ ہر نبی نبوت سے پہلے سابقہ شریعت کے مطابق اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہو، واللہ اعلم!

⑦ مفتی صاحب لکھتے ہیں:

''حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عبد اللہ تک حضور کے آباء وامہات میں کوئی مشرک نہیں ہوا، رب فرماتا ہے: ﴿وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ﴾ ہم آپ کے نور کی گردش کو پاک پشتوں اور پاک شکموں میں دیکھ رہے ہیں۔''

(تفسیر نور العرفان، ص491)

یہ روافض کا عقیدہ ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کے آباء واجداد کافر نہیں ہوتے۔ جبکہ ائمہ مسلمین میں کوئی بھی اس عقیدہ کا قائل نہیں۔ کئی انبیا کے والدین کافر تھے۔ اس پر نصوص ہیں۔ اس لیے بعض لوگ ان نصوص کو اپنے خلاف پا کر پرتکلف تاویلات پر اُتر آتے ہیں۔

آیت کے مفہوم میں بھی تحریف کی گئی ہے۔ یہ خالص شیعہ کی زبان ہے، شیعہ کے نزدیک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نور سے ہیں، جبکہ قرآن وحدیث اور اجماع امت سے ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنس بشر سے ہیں، البتہ انبیائے کرام علیہم السلام کا سلسلہ نسب پاکدامن ہوتا ہے، ان آباء واجداد اور امہات میں کوئی بھی بدکردار نہیں ہوسکتا۔

آیت کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ اے نبی! اللہ تعالیٰ آپ کو نماز پڑھتے، قیام کرتے، رکوع وسجدے میں جاتے دیکھتا ہے۔ یہاں نماز پڑھنا مراد ہے۔

⑧ مفتی صاحب لکھتے ہیں:

''حضور سے معراج میں راز و نیاز فرمائے، وہ کسی کو نہ بتائے، بلکہ ارشاد فرمایا: ﴿فَأَوْحٰى إِلٰى عَبْدِهٖ مَآ أَوْحٰى﴾ معلوم ہوا کہ سب باہر کے دوست

ہیں، حضور درونِ سرا ہیں۔"

(تفسیر نور العرفان، ص492)

بے دلیل بات ہے۔ وہ کون سے راز و نیاز تھے، جو نبی کریم ﷺ نے کسی کو نہ بتائے۔ اس آیت سے جبریل علیہ السلام مراد ہیں کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کی طرف وحی کی۔

❁ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے اسی آیت کے بارے میں پوچھا گیا، تو فرمایا:

إِنَّمَا هُوَ جِبْرِيلُ . "یہ تو جبریل علیہ السلام ہیں۔"

(صحيح مسلم : 177)

جب اس آیت سے مراد ہی جبریل علیہ السلام ہیں، تو معراج کی رات اللہ تعالیٰ کا نبی کریم ﷺ سے راز و نیاز کرنے کا دعویٰ درست نہ ہوا۔

مفتی صاحب نے نبی کریم ﷺ اور دیگر انبیا کے درمیان جن الفاظ سے تقابل کیا ہے، وہ بلاشبہ شانِ نبوت کے خلاف ہے۔ انبیائے کرام علیہم السلام کے متعلق بولتے اور لکھتے وقت ادب چاہیے۔

⑨ مفتی صاحب سورت مریم (۵۸) کے تحت لکھتے ہیں:

"یہاں مسلمانوں پر سجدہ واجب ہے۔"

(تفسیر نور العرفان، ص493)

قرآن کریم میں کل پندرہ سجدے ہیں۔ ان میں سے کوئی سجدہ واجب نہیں۔ سجدہ تلاوت مستحب سنت ہے۔ مسلک محدثین یہی ہے۔ قرآن وسنت کے دلائل محدثین کے دلائل ہیں، ان دلائل سے ایک شرعی حکم کا درجہ وہی متعین کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ وہی بتائیں گے کہ کون سا حکم واجب ہے اور کون سا مستحب؟ محدثین کے علم وفہم کے برخلاف

احکام شرعیہ کا درجہ بیان کرنے کا کسی کو کوئی حق نہیں۔

⑩ مفتی صاحب لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے حضور سے پہلے کسی نبی یا ولی کا نام محمد نہ رکھا، حضور کا یہ مبارک نام ہی اچھوتا رہا۔''

(تفسیر نور العرفان، ص494)

ایک نام کے دو نبی نہیں آئے۔ ہمارے نبی کریم ﷺ کا نام مبارک بے شک اچھوتا ہے، مگر یہ نام پہلے لوگوں میں بھی رکھا گیا۔

(فتح الباري لابن حجر : 555/6)

❀ سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ اسْمِي مُحَمَّدٌ الَّذِي سَمَّانِي بِهِ أَهْلِي .

''میرا نام محمد ہے، یہ نام میرے گھر والوں نے رکھا۔''

(صحيح مسلم : 315)

⑪ مفتی صاحب سورت مریم (۸۱۔۸۲) کے تحت لکھتے ہیں:

''معلوم ہوا کہ انبیائے کرام واولیا مومنوں کی عبادات وطاعات کی گواہی دیں گے، انکار نہ کریں گے۔''

(تفسیر نور العرفان، ص496)

❀ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللّٰهِ آلِهَةً لِّيَكُونُوا لَهُمْ عِزًّا ۞ كَلَّا سَيَكْفُرُونَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُونُونَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ۞﴾ (مريم : ٨١۔٨٢)

''انہوں نے اللہ کے علاوہ معبود بنائے، تا کہ ان کی مدد ہو سکے، لیکن وہ معبود ان کی مدد نہیں کر سکتے، عنقریب وہ (قیامت کے دن) ان کی عبادت کا انکار کر دیں گے اور ان کے مخالف ہو جائیں گے۔''

اس آیت کریمہ میں غیر اللہ کی عبادت کرنے والوں کے متعلق بتایا گیا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے علاوہ الہ اور کارساز بنا رکھے ہیں، تا کہ وہ ان کی مدد کریں، لیکن یہ معبود ان روز قیامت ان کی عبادت کا انکار کر دیں گے، نہ صرف انکار کریں گے، بلکہ ان کے مخالف بھی ہو جائیں گے۔ معلوم ہوا کہ جس نے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کی عبادت کی، مثلا اسے مشکل کشا، حاجت روا اور کارساز سمجھا، اسے اس نے الہ بنالیا، چاہے وہ اسے الہ تسلیم نہ بھی کرے، وہ اس کا الہٰ ہی ہوتا ہے، جسے اس نے اپنے رب کے ساتھ شریک ٹھہرایا ہوتا ہے۔ روز قیامت وہ اس کی عبادت کا انکار کر دیں گے کہ ہمیں علم نہیں کہ ہمارے مرنے کے بعد لوگ ہمارے متعلق کیا کہتے رہے؟ ہمارے ساتھ کیا کیا اُمیدیں وابستہ کیے ہوئے تھے؟ انکار کے ساتھ ساتھ ان کے مخالف ہو جائیں گے۔ یہ آیت کا صحیح مفہوم ہے۔

مفتی صاحب حسب منشابات دوسری طرف لے گئے ہیں کہ انبیا اور اولیا مومنوں کی عبادات کی گواہی دیں گے، انکار نہیں کریں گے۔ جبکہ اس پر کوئی دلیل نہیں۔

(۱۲) مفتی صاحب لکھتے ہیں:

''آج اولیاء اللہ قبور میں سو رہے ہیں اور لوگ ان کی طرف کھنچے جا رہے ہیں، حالانکہ انہیں کسی نے دیکھا بھی نہیں، یہ ہے رب کی دی ہوئی محبوبیت۔''

(تفسیر نور العرفان، ص497)

اولیاء اللہ سے محبت ایمان ہے۔ ان کا دفاع کرنا بھی ایمان ہے۔ ان کی قبور کی

زیارت ان کے لیے دعائے رحمت ومغفرت کی غرض سے کرے اوران سے عبرت پکڑے، آخرت کو یاد کرے اور دنیا کی بے ثباتی کا یقین کرے۔

اولیا کی قبروں کی حد درجہ تعظیم ممنوع وحرام ہے۔ یہ انسان کو اصنام پرستی تک لے جاتی ہے، بلکہ اصنام پرستی کا بنیادی سبب اسلاف پرستی ہے۔ اولیا کی قبروں پر گنبد اور قبے بنانا حرام ہے۔ سال بہ سال ان کی قبروں پر میلے لگانا جائز نہیں۔

اہل شرک جنہیں اولیاء اللہ سمجھتے ہیں، درحقیقت وہ اولیاء اللہ نہیں، کیونکہ ولی کی تعریف یہ ہے کہ جو صالح ہو، جس کا عقیدہ ائمہ اہل سنت والجماعت کے موافق ہو، وہ متبع سنت ہو۔ یقیناً ایک بدعقیدہ انسان کسی صحیح العقیدہ مسلمان سے حقیقی محبت نہیں رکھ سکتا۔ جو لوگوں سے شرک کروائے اور خود شرک وبدعت کا خوگر ہو، مسلک اہل سنت سے منحرف ہو، بھلا وہ ولی کیسے ہوسکتا ہے؟

ستم ظریفی یہ ہے کہ جو عقل وشعور سے عاری ہوتے ہیں، مجذوب اور پاگل ہوتے ہیں، لوگ ان کے مرنے کے بعد ان کی قبروں پر قبے بناتے ہیں، ان کی طرف کھنچے چلے جاتے ہیں، ان کے استدراج بیان کرتے ہیں اور انہیں ولایت کا درجہ دیتے ہیں۔

⑬ مفتی صاحب سورت مریم (۹۸) کے تحت لکھتے ہیں:

''اے محبوب! تم ان ہلاک شدہ قوموں کو دنیا میں نہیں دیکھتے، نہ ان کے زمین پر چلنے پھرنے کی آواز سنتے ہو، سب نیست ونابود ہوگئے، ہاں اب وہ جہاں قید ہیں، وہاں انہیں حضور کی آنکھیں دیکھ رہی ہیں، حضور نے معراج میں ہر قسم کے مجرموں کو دوزخ میں ملاحظہ فرمایا۔''

(تفسیر نور العرفان، ص497)

یہ غلو پر مبنی بے دلیل بات ہے۔ نبی کریم ﷺ اپنی حیات مبارکہ میں پس دیوار کو نہیں دیکھ سکتے تھے، تو بعد از وفات کیسے دیکھ سکتے ہیں؟

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہار گم ہو گیا، تلاش کرنے پر اونٹ کے نیچے سے ہار مل گیا۔ (صحیح بخاری: ۳۳۴، صحیح مسلم: ۳۶۷) اسی طرح نبی کریم ﷺ کے پاس دو صحابیہ خواتین آئیں، انہوں نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو نبی کریم ﷺ سے مسئلہ پوچھنے کے لئے اندر بھیجا اور ساتھ کہا:

لَا تُخْبِرْهُ مَنْ نَحْنُ .

''آپ نبی کریم ﷺ کو ہمارے متعلق خبر نہ دیجئے گا۔''

(صحيح البخاري : 1466 ، صحيح مسلم : 1000)

معراج کی رات مجرموں کو دوزخ میں دیکھنا ثابت ہے۔ تو اس وقت جہنم آپ ﷺ کے سامنے تھی۔ نبی کریم ﷺ نے لوگوں کو مختلف عذابوں میں مبتلا دیکھا، تو جبریل علیہ السلام سے دریافت کیا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ کس جرم کی پاداش میں ان کا یہ حال ہے؟ تو جبریل علیہ السلام کے بتانے پر آپ ﷺ کو علم ہوا۔

⑭ مفتی صاحب سورت طہ (۵) کے تحت لکھتے ہیں:

''عرش بادشاہ کے تخت کو کہتے ہیں اور استوا اس پر بیٹھنے کو۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں سے پاک ہے، لہٰذا یہ آیت متشابہات میں سے ہے، یعنی جو استوا رب کی شان کے لائق ہے، نہ کہ ہماری طرح بیٹھنا۔''

(تفسیر نور العرفان، ص498)

یہ واضح الحاد ہے اور صفات باری تعالیٰ میں گمراہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے متعلق یہ خبر دی ہے کہ وہ عرش پر مستوی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا عرش پر مستوی ہونا ایسے ہے، جیسا کہ اس

کی شان کے لائق ہے۔ اللہ تعالیٰ عرش کا محتاج نہیں، کیونکہ عرش اللہ کی مخلوق ہے۔

سلف صالحین اور ائمہ دین نے استوا کا معنی ''عرش پر بلند ہونا'' کیا ہے۔

❁ علامہ ابن بطال رحمہ اللہ (۴۴۹ھ) فرماتے ہیں:

أَمَّا قَوْلُ مَنْ قَالَ : عَلَا، فَهُوَ صَحِيحٌ، وَهُوَ مَذْهَبُ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْحَقِّ .

''جن لوگوں نے کہا ہے کہ (استوا علی العرش کا معنی یہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ بلند ہوا، ان کی بات صحیح ہے۔ اہل سنت اور اہل حق کا یہی مذہب ہے۔''

(شرح صحيح البخاري : 90/20)

❁ امام محمد بن جریر طبری رحمہ اللہ (۳۱۰ھ) فرماتے ہیں:

اَلرَّحْمٰنُ عَلٰى عَرْشِهِ ارْتَفَعَ وَعَلَا .

''اللہ تعالیٰ عرش پر بلند ہوا۔''

(تفسير الطّبري : 270/18، 169/23)

❁ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

أَمَّا قَوْلُهٗ تَعَالٰى : ﴿ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾، فَلِلنَّاسِ فِي هٰذِهِ الْمَقَامِ مَقَالَاتٌ كَثِيرَةٌ جِدًّا، لَيْسَ هٰذَا مَوْضِعُ بَسْطِهَا، وَإِنَّمَا يُسْلَكُ فِي هٰذَا الْمَقَامِ مَذْهَبُ السَّلَفِ الصَّالِحِ : مَالِكٌ، وَالْأَوْزَاعِيُّ، وَالثَّوْرِيُّ، وَاللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ، وَالشَّافِعِيُّ، وَأَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، وَإِسْحَاقُ بْنُ رَاهَوَيْهِ وَغَيْرُهُمْ، مِنْ أَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ قَدِيمًا وَّحَدِيثًا، وَّهُوَ إِمْرَارُهَا كَمَا جَاءَ تْ مِنْ

غَيْرِ تَكْيِيفٍ وَّلَا تَشْبِيهٍ وَّلَا تَعْطِيلٍ، وَالظَّاهِرُ الْمُتَبَادِرُ إِلٰى أَذْهَانِ الْمُشَبِّهِينَ مَنْفِيٌّ عَنِ اللّٰهِ، فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يُشْبِهُهٗ شَيْءٌ مِّنْ خَلْقِهٖ، وَ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَّهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾(الشوریٰ: ۱۱) بَلِ الْأَمْرُ كَمَا قَالَ الْأَئِمَّةُ، مِنْهُمْ نُعَيْمُ بْنُ حَمَّادٍ الْخُزَاعِيُّ شَيْخُ الْبُخَارِيِّ: مَنْ شَبَّهَ اللّٰهُ بِخَلْقِهٖ فَقَدْ كَفَرَ، وَمَنْ جَحَدَ مَا وَصَفَ اللّٰهُ بِهٖ نَفْسَهٗ فَقَدْ كَفَرَ، وَلَيْسَ فِيمَا وَصَفَ اللّٰهُ بِهٖ نَفْسَهٗ وَلَا رَسُولُهٗ تَشْبِيهٌ، فَمَنْ أَثْبَتَ لِلّٰهِ تَعَالٰى مَا وَرَدَتْ بِهِ الْآيَاتُ الصَّرِيحَةُ وَالْأَخْبَارُ الصَّحِيحَةُ، عَلَى الْوَجْهِ الَّذِي يَلِيقُ بِجَلَالِ اللّٰهِ تَعَالٰى، وَنَفٰى عَنِ اللّٰهِ تَعَالَى النَّقَائِصَ، فَقَدْ سَلَكَ سَبِيلَ الْهُدٰى.

''رہا اللہ کا یہ فرمان: ﴿ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾ ''پھر وہ عرش پر مستوی ہوا'' تو اس کے بارے میں لوگوں کے مختلف اقوال ہیں۔ یہاں تفصیل بیان کرنا مقصود نہیں۔ اس بارے میں سلف صالحین کی راہ پر چلا جائے گا۔ امام مالک، امام اوزاعی، امام سفیان ثوری، امام لیث بن سعد، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام اسحاق بن راہویہ وغیرہم رحمہم اللہ، جو کہ پہلے اور بعد والے مسلمانوں کے ائمہ ہیں، ان کا مذہب یہ ہے کہ صفات باری تعالیٰ کو اسی طرح تسلیم کیا جائے، جس طرح وہ بیان ہوئی ہیں۔ نہ ان کی کیفیت بیان کی جائے، نہ ان میں تعطیل کی جائے اور نہ ہی مخلوق کے ساتھ انہیں تشبیہ دی جائے۔ تشبیہ

دینے والے لوگوں کے ذہن میں جو متبادر بات آتی ہے، اللہ اس سے بری ہے، کیونکہ مخلوق میں کوئی چیز اس کے مثل نہیں۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَّهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾(الشّوری: ۱۱) ''اس کی مثل کوئی چیز نہیں اور وہ سمیع وبصیر ہے۔'' بلکہ یہ معاملہ ایسے ہے، جیسے ائمہ دین نے فرمایا ہے۔ ان میں سے ایک امام بخاری رحمہ اللہ کے استاذ امام نعیم بن حماد رحمہ اللہ بھی ہیں، انہوں نے فرمایا کہ جو اللہ کو مخلوق سے تشبیہ دے، وہ بھی کافر اور جو اللہ تعالیٰ کی بیان کردہ صفات میں سے کسی کا انکار کرے، وہ بھی کافر (کتاب العرش للذہبی: ۲۰۹، وسندہ حسن) جو صفتِ باری تعالیٰ خود اللہ نے بیان کی ہے یا اس کے رسول نے بیان کی ہے، اس میں کوئی تشبیہ نہیں۔ لہٰذا جو شخص آیات بینات اور احادیث صحیحہ میں بیان کی گئی صفات کو اس طرح ثابت کرتا ہے، جیسے اللہ کی شان کے لائق ہیں اور اللہ سے تمام نقائص کی نفی کرتا ہے، وہ ہدایت کے راستے پر گامزن ہے۔''(تفسیر ابن کثیر: 426/3)

اللہ تعالیٰ کے لیے استوا کا معنی یہ بیان کرنا کہ وہ اپنی شان کے مطابق عرش پر بیٹھا ہے، واضح خطا ہے۔ نیز یہ آیات اسماء وصفات کے متعلق ہیں۔ انہیں متشابہات قرار دینا الحاد ہے۔ آیات صفات کو متشابہات قرار دینا حقیقت میں مفوضہ کا مذہب ہے۔ وہ صفات والی نصوص کو متشابہ کہتے ہیں، ان کی مراد ہوتی ہے کہ صفات باری تعالیٰ اور اسمائے حسنیٰ کا معنی اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ سلف صالحین اور ائمہ اہل حدیث اس سے بری تھے۔ وہ ان کی کیفیت کا علم اللہ کے سپرد کرتے تھے، وہ استواء علی العرش، نزول وغیرہ کے معانی سے واقف تھے۔ صفات والی آیات کو متشابہات قرار دینا، توحید سے روگردانی ہے اور سلف

صالحین کی مخالفت ہے۔سلف کی مخالفت میں کوئی عقیدہ معتبر نہیں۔توحید والی آیات کو متشابہات قرار دے کر قدریہ، جبریہ، جہمیہ، اشاعرہ، ماتریدہ، رافضیہ ،مفوضہ اور خوارج نے خوب فائدہ اٹھایا ہے۔یوں بہت ساری آیات بینات کو مہمل (بے معنی) بنا کر معطلہ بن گئے۔ہر صاحب علم جانتا ہے کہ صفات باری تعالیٰ عقیدہ توحید کی اساس ہیں اور محکم آیات سے ثابت ہیں۔

⑮ مفتی صاحب لکھتے ہیں:

''متبرک جنگلوں کو بھی ادب کرنا چاہیے، جیسے مدینہ منورہ، مکہ مکرمہ کے جنگل، جو حرم کہلاتے ہیں۔''

(تفسیر نور العرفان، ص498)

مکہ مدینہ دونوں حرم ہیں۔حرم کی حرمت، تقدس اور ادب و تعظیم منقول و ماثور ہے۔مکہ مدینہ متبرک نہیں، نہ ہی کوئی جنگل یا وادی متبرک ہے۔نبی کریم ﷺ کی ہستی پاک متبرک ہے، آپ کے علاوہ کسی سے تبرک حاصل نہیں کیا جا سکتا۔

⑯ مفتی صاحب لکھتے ہیں:

''حضور ﴿دَنَا فَتَدَلّٰى﴾ سے شب معراج میں مشرف ہوئے، مگر کہیں ثبوت نہیں کہ حضور کو نعلین شریفین اُتارنے کا حکم دیا گیا ہو، معلوم ہوا کہ حضور کی نعلین عرش اعظم سے افضل ہے، جیسے حضور کی قبر انور۔''

(تفسیر نور العرفان، ص498)

❀ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا:

إِنَّمَا هُوَ جِبْرِيلُ، لَمْ أَرَهُ عَلَى صُورَتِهِ الَّتِي خُلِقَ عَلَيْهَا غَيْرَ هَاتَيْنِ الْمَرَّتَيْنِ، رَأَيْتُهُ مُنْهَبِطًا مِنَ السَّمَاءِ سَادًّا عِظَمُ خَلْقِهِ مَا بَيْنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ.

''یہ تو جبریل علیہ السلام ہیں، میں نے انہیں ان کی اصلی تخلیقی صورت میں صرف دو مرتبہ ہی دیکھا ہے، میں نے انہیں آسمان سے اترتے ہوئے دیکھا، انہوں نے سارے افق کو بھرا ہوا تھا، زمین و آسمان میں اللہ کی سب سے بڑی مخلوق۔''

(صحیح مسلم : 177)

شب معراج کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے ہیں، عرش پر جانے کا کوئی ثبوت نہیں۔ جب عرش پر جانے کا کوئی ثبوت نہیں، تو نعلین شریفین اُتارنے یا نہ اُتارنے کی کوئی بات نہ ہوئی۔

باقی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جوتی مبارک یا قبر مبارک کو عرش اعظم سے افضل قرار دینا، محض تکلف ہے۔ اسلاف اُمت ایسا نہیں کہتے تھے۔ وہ سب سے بڑھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والے اور آپ کی تعظیم بجالانے والے تھے۔

⑰ مفتی صاحب لکھتے ہیں:

''(قیامت کی) علامات اور حالات انبیائے کرام کے ذریعہ سب کو بتا دیے، تا کہ لوگ اس دن کی تیاری کریں، قیامت کے وقوع کا دن، تاریخ، مہینہ حضور کو بتا دیا، حضور نے فرمایا کہ قیامت جمعہ کو آوے گی، یہ بھی روایت ہے کہ محرم کے مہینہ عاشورہ کے دن آوے گی، سن نہ ارشاد فرمایا، تا کہ بالکل راز فاش نہ ہو جائے، اتنا بتا دیا کہ ہم اور قیامت ملی ہوا نگلیوں کی طرح پڑوسی ہیں، جیسے پڑوسی

کو پڑوسی کی خبر ہوتی ہے، ایسے ہی ہم کو قیامت کی خبر ہے۔''

(تفسیر نور العرفان، ص498)

نبی کریم ﷺ نے قیامت کی چھوٹی بڑی نشانیاں بیان فرما دی ہیں۔ دو انگلیوں کو ملا کر فرمایا: میں اور قیامت اس طرح ہیں۔ اس حدیث میں قرب قیامت کا ذکر ہے کہ میری بعثت اور قیامت میں اتنا ہی فاصلہ ہے، جتنا ان دو انگلیوں کے مابین۔

قیامت کا وقوع کب ہوگا؟ اس کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ علم کسی کو نہیں دیا، البتہ یہ بتا دیا کہ قیامت جمعہ والے دن قائم ہوگی۔ (صحیح مسلم: ۸۵۴)

یہ جمعہ کون سا ہوگا؟ اس بارے نہیں بتایا گیا۔ اسی طرح کون سے مہینے کو قیامت آئے گی؟ ثابت نہیں۔ اگر ثابت بھی ہو جائے، تو اس سے وقوع قیامت کا علم ثابت نہیں ہوتا۔

یہ کہنا کہ ''سن نہ ارشاد فرمایا، تا کہ بالکل راز فاش نہ ہو جائے۔'' نبی کریم ﷺ پر افترا ہے اور قرآن و حدیث اور فہم سلف کی تکذیب ہے۔

❀❀❀❀❀❀❀